خدا، رسول اور قیامت کے متعلق سرسید کے عقائد

(اخبار "صدق جدید" لکھنؤ بابت ۷، اکتوبر ۱۹۶۰ء)

لندن سے واپس آنے کے بعد جب سرسید نے اپنا اصلاحی کام شروع کیا اور قوم کی زبوں اور ابتر حالت کو بہتر بنانے کا ارادہ کیا اور علی گڑھ میں، مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ کے قیام کا اعلان کیا تو قوم نے اس مفید کام میں ان کی مدد کرنے کی بجائے ہر طرف سے ان پر نہایت زور شور کے ساتھ کفر کے فتوؤں کی بارش ہونے لگی اور مکہ معظمہ تک سے سرسید کے کفر کے فتوے منگوائے گئے۔ غریب سید کو کافر، ملحد، بے دین بنانے والے علمائے کرام نے سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور نہایت کوشش سے ہر جگہ کے مشہور علماء سے سرسید کے کفر پر مہریں لگوائیں۔ اسی سلسلے میں مونتین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے پاس بھی پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ آپ بھی سرسید کے کفر کی تصدیق فرما دیجیے تاکہ کسی مسلمان کو اسے کافر سمجھنے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اس زمانہ میں کفر کے فتوؤں میں یہ فقرہ لازمی ہوتی تھی کہ جس شخص کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ جو شخص اسے کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے اور اسکی بیوی پر طلاق ہے۔ خیر جب علمائے کرام نے اس یقین و اعتماد کے ساتھ سرسید کے کفر کا فتویٰ حضرت مولانا محمد قاسم خدمت میں پیش کیا کہ حضرت مولانا بلا چوں و چرا اور بلا تامل اس فتوے پر مہر تصدیق ثبت فرما دیں گے۔ کیوں کہ اس وقت یہ متفق علیہ مسئلہ تھا کہ:

سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

لیکن علمائے کرام کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جب ان کی توقع اور امید کے بالکل برخلاف حضرت مولانا نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ ٹھہر یئے! پہلے میں ذاتی طور پر اس امر کی تحقیق تو کر لوں کہ سید احمد واقعی کافر ہے؟ یا لوگوں نے اسے "کافر" بنا دیا ہے؟

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا نے حسب ذیل سوالات لکھ کر سرسید کو بھیجے اور ان کو لکھا کہ ان کے مختصر جوابات لکھ کر بھیج دیں۔ یہ سوال اور ان کے جوابات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) سوال: خدا کی نسبت آپ کا جو عقیدہ ہے وہ بہت مختصر طور پر چند لفظوں میں لکھ دیں۔

جواب: خدا تعالیٰ ازلی، ابدی، مالک اور صانع تمام کائنات کا ہے۔

(۲) سوال: حضرت نبی کریم محمد ﷺ کے متعلق آپ کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟

جواب: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

(۳) سوال: قیامت کی بابت آپ کے خیالات کیا ہیں؟

جواب: قیامت برحق ہے۔

سرسید کی طرف سے ہر سہ امور کے متعلق یہ جواب موصول ہونے پر حضرت مولانا نے علمائے کرام سے فرمایا ہے کہ "کیا تم ایسے شخص کے کفر پر مجھ سے دستخط کرانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے؟ جاؤ میں قیامت تک اس فتوے پر دستخط نہیں کروں گا"۔

(بحوالہ۔ مقالات سرسید، مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔ ص ۵۱۔۵۳)

....

تفسیر المسائل و الاحکام

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

مذہبی اجتماعات میں خواتین کی شرکت

سوال: معزز ین علاقہ مساجد میں نماز جمعہ، تراویح، عیدین اور دیگر تقریبات میں اصلاح احوال اور تربیت کے لیے شرعی حدود کی پاسداری اور پردے کے مناسب اہتمام کے ساتھ خواتین کی شرکت کے خواہاں ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ دریں سلسلہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(ڈاکٹر محمد نصر اللہ، گلشن حدید، فیز ۔ ۲، کراچی)

جواب: قرآن مجید کا مخاطب مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ اللہ کی بارگاہ میں تنہا مسئول بھی:

ولقد جئتمونا فرادی۔۔۔۔۔ (الانعام/۹۴)

اور تم ہمارے پاس (جواب دہی کے لیے) اکیلے اکیلے آؤ گے۔

زمانۂ نزول قرآن میں، جو دین قائم کیا جا رہا تھا، اس میں عبادت اور تربیت کے پہلو سے مرد و عورت میں کوئی خاص تفریق نہیں تھی۔ مسجدوں میں مردوں کے ساتھ، بچوں اور عورتوں کی صفیں ہوا کرتی تھیں۔ اس فرق کے ساتھ ابتدائی صفیں مردوں کے لیے درمیانی بچوں اور آخری صفیں عورتوں کے لیے تھیں۔ بس اتنا ہی فرق تھا۔ یہ نہیں تھا کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا جاتا ہو۔ اور گھروں میں بیٹھے رہنے پر اصرار کیا جاتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو دین صرف مردوں کا ہوتا۔ عورتوں کا کوئی دین نہ ہوتا۔

مسجدیں اپنی اصل میں شروع سے ہی عبادت کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت اور تہذیب نفس کا مرکز رہی ہیں۔ اور تہذیب و تربیت کی ضرورت مرد و عورت دونوں کو یکساں ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کسی بھی ایک فریق کو تعلیم و تربیت کے لیے مخصوص کر لیا جائے اور دوسرے سے غفلت برتی جائے تو نتیجہ فکری اختلاف اور عملی انتشار کے سوا کچھ اور نہیں نکلے گا۔ عورتوں کا اپنا الگ دین دھرم ہوگا اور مردوں کا اپنا۔ اور دونوں میں بعد المشرقین۔ اس لیے کہ دونوں کی تعلیم و تربیت الگ الگ راستوں سے ہو رہی ہوگی۔ ہاں اگر ان کا مرکز عبادات و تہذیب اور محور تعلیم و تربیت یکساں کرا دیا جائے تو ہم فکری و ہم خیالی کی صورت میں مثبت رویے پروان چڑھیں گے اس لیے اسلام نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے بالکل نہیں روکا۔ بلکہ

عیدین کی نمازوں کے لیے تو رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو عیدگاہوں میں آنے کی خصوصی تاکید کی تھی۔ حالانکہ بعض خواتین نے اپنی اذیت ماہانہ کا عذر شرعی بھی بتایا تھا مگر اس پر بھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں آنے کا پابند کیا اور فرمایا بے شک تم نماز نہ پڑھو مگر ایک طرف بیٹھی رہو۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین)

اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فی زمانہ جہاں خواتین زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کی طرح کام کر رہی ہیں وہیں عبادت و تربیت کے میدان میں بھی انہیں شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ عبادت کرنے اور علم سیکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ عام نمازوں میں تو شاید ضرورت اس امر کی استقدر داعی نہ ہو، تاہم نماز جمعہ، تراویح اور عیدین میں اور اسی طرح کے دیگر مفید علمی و فکری اجتماعات میں خواتین کو شریک کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ معاشرہ میں ہم آہنگی کی فضا قائم ہو سکے۔ اور دین کے سرچشموں سے دونوں فریق اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق ایک ہی وقت میں یکساں مستفید ہو سکیں۔

قرآن مجید نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایک دوسرے کا اولیا قرار دیا ہے:

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض۔ (التوبہ/۷۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔

اس ولایت کی رو سے مومنوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہمیشہ دوست، مددگار اور ہم نوا بن کر رہیں۔ اور یہ تبھی ممکن ہے کہ جب انکی منزل مقصود اور اسکے حصول کے لیے ان کے راستے یکساں ہوں، مقام اجتماع بھی ایک ہو اور صورو علمی بھی ایک ہو۔ اس دوستی، مددگاری اور ہمنوائی کی عملی شکل یہ ہونی چاہیے کہ مخلوط جگہوں پر خواتین اپنے محرموں کے ساتھ شریک مجلس ہوں۔ بایں صورت منفی اثرات و دیگر خطرات پیدا ہونے کی امکانی صورتیں مسدود رہیں گی اور صالحیت نمو پذیر ہوگی اور ہر دو فریق میں باہمی اعتماد کی فضا بھی قائم رہیگی، بالخصوص خواتین میں اعتماد زیادہ بڑھے گا جو انکی آئندہ کی زندگی میں متعدد پہلوؤں سے مددگار ثابت ہوگا۔

مسجدوں میں خواتین کی آمد کو یقینی بنانے کے لیے درج ذیل اقدامات کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ مسجدوں میں آمد و رفت کے دروازے الگ الگ بنا دیے جائیں۔

۲۔ یک منزلہ مسجدوں میں خواتین دور رسالت مآب ﷺ کی طرح پچھلی صفوں میں اپنی جگہ بنائیں۔

۳۔ دو یا تین منزلہ مسجدوں میں کوئی ایک منزل خواتین کے لیے وقف کر دی جائے۔

۴۔ کھلے میدانوں اور عیدگاہوں میں خواتین کا پورشن (Portion) مردوں سے الگ بنایا جائے۔